ایمان کے تقاضوں کی تکمیل میں رکاوٹ

مؤلف

محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ)

تفصیلات طباعت

نام کتاب	ایمان کے تقاضوں کی تکمیل میں رکاوٹ
مؤلف	محمد ارشاد علی مولوی عالم (نظامیہ)
صفحات	۳۱
اشاعت	اپریل ۲۰۱۳
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

مزید موضوعات

https://islahitohfa.com

تنبیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

ایمان کے تقاضوں کی تکمیل میں رکاوٹ

قالَ رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "حُبُّ الدُّنیا رَأسُ کُلِّ خَطیئَۃٍ"

فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا کی محبت ساری برائیوں کی جڑ ہے۔

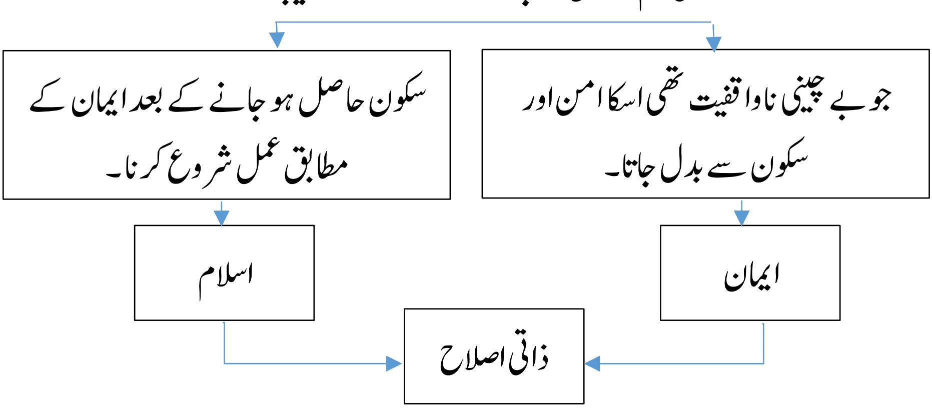
(۱) کلمہ توحید لآ اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوُلِ اللّٰہِ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

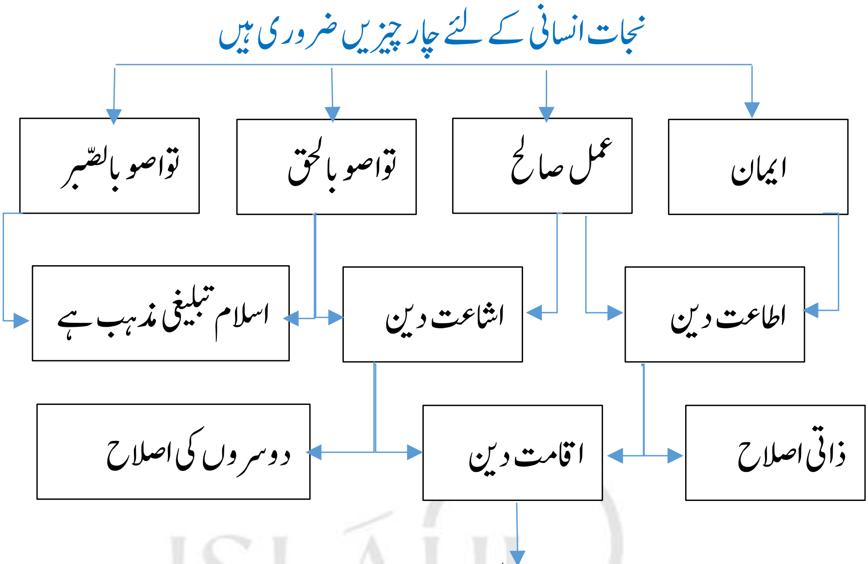
حکم اللہ تعالیٰ کا۔ طریقہ رسول اللہ کا۔

(۲) ایمان کا موضوع کیا ہے؟ میں کیا ہوں؟ میں کون ہوں؟ میں کہاں سے آیا ہوں؟ مجھے کہاں جانا ہے؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ میری زندگی کی منزل کیا ہے؟ دنیا کیا ہے؟ کائنات کیا ہے؟ مجھ میں اور دیگر مخلوقات میں ربط اور اُسکی نوعیت کیا ہے؟ کائنات میں میرا مقام کیا ہے؟ کائنات کی ابتداء اور اُسکی انتہاء کیا ہے؟ میں وجود سے پہلے کیا تھا؟ مرنیکے بعد کیا ہو جاونگا؟ اسطرح ایمان دراصل کائنات اور انسان کے بارے میں حقیقی علم کا نام ہے۔

حقیقی علم حاصل ہو جانے کے بعد اُسکے دو نتیجے۔



(۳)



مقصد رسالت اور مقصد شریعت الٰہی

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ [التوبۃ: ۳۳] وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے۔ اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

حدیث :- مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ اسوقت تک جاری رکھوں جب تک کہ وہ لا إله إلا الله کی شہادت دیں۔ اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لیکر آیا ہوں اس پر ایمان لائیں سو جب وہ ایسا کر لیں گے تو اُنھوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے اس حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے (مسلم)

ابتدائیہ :

(۱) ایمان کی عظمت اور اُسکی اہمیت کا اندازہ اسبات سے ہوتا ہے کہ سارے انبیاء کرام کے کاموں کی ابتدا، ایمان اور نماز سے ہوئی لیکن رسول ﷺ کے کام کی ابتدا، ایمان اور دعوت الی الایمان سے ہوئی۔ چنانچہ آپ کی حیات طیبہ کا ۸۵ فیصد حصہ دعوت الی الایمان میں گزار۔

(۲) قرآن کریم کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۸۶ سورتیں مکے میں نازل ہوئیں جن کے مضامین بیشتر ایمانیات کو لئے ہوئے ہیں اور ۲۸ سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں جن میں بیشتر احکام ہیں۔ ایمان دین کا بیج ہے اور دعوت و تبلیغ، دین کی زراعت ہے۔ ایمان سے عمل کو وجود میں لانا ہے۔ مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں دعوت و تبلیغ کے مراکز ہیں۔ والدین کی اصل ذمہ داری اولاد کے سلسلے میں دینی تعلیم اور تربیت کی ہے۔ وہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔ دنیوی تعلیم دلانے میں والدین کا انہماک (خصوصاً والدہ کی کاوش) بہت زیادہ ہیں۔ یہ نہ صرف ان کی دنیا پرستی کا ثبوت ہے بلکہ آخرت بے یقینی کی دلیل بھی ہے۔ اس خصوص میں وہ خود کو روز قیامت، خدا کی طرف سے باز پُرس میں خود کو نہ بچا سکیں گے۔ ان کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ اعلی تعلیم کیلئے مخلوط نظام تعلیم کے نتائج کو بھی برداشت کرنے تیار ہیں۔ دینی تعلیم کے سلسلے میں اپنے بچوں کی تربیت کی خاطر رسماً کسی استاد کے حوالے کر دینا یا اتفاقاً بچوں کو جماعت میں بھیج دینے سے والدین دینی ذمہ دوری سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ حق بات تو یہ ہے کہ خود والدین اپنے بچوں کو دینی تعلیم اور تربیت دیں۔ ہر گھر میں عورت الرجال القوامون کا مقام حاصل کر لی ہے۔

اصل تبلیغ دین کا کام مسلمانوں کے دائرے کے باہر یعنی غیر مسلمانوں میں کرنا ہے اور دائرے کے اندر مسلمانوں کے درمیان اصلاحی اعتبار سے دین کا کام ہونا ہے اور دونوں کاموں کیلئے دینی علمیت سے مسلح ہونا ضروری ہے یعنی قرآن، حدیث اور فقہ۔ اسکے برعکس جس میں کلام اللہ کی فہم نہ ہو (اور بعض صورتوں میں حافظ، تجوید سے بھی واقف نہ ہو اور اردو زبان پر عبور نہ ہو) ایسے شخص کا ممبر پر قیام یا مسجد میں امارت یا نمازیوں کو دینی امور میں افہام و تفہیم کی بات ایک بے جوڑ سی ہے۔ علماء کی فضیلت یہ ہے کہ احادیث شریفہ میں علماء کو جانشین رسول بتلایا گیا ہے۔

حدیث: **قلیل العلم خیر من کثیر من العبادۃ** (تھوڑا علم زیادہ عبادت سے بہتر ہے)

اسلام میں، انسان کے وجود سے زیادہ انسان کے مقصد کی اہمیت ہے۔

﴿الرَّحْمٰنُ ﴾۝﴿عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴾۝﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ ﴾۝﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴾۝ [الرحمن: ۱-۴]

خدا جو نہایت مہربان۔ اُسی نے قرآن کی تعلیم دی۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسی نے اسکو بولنا سکھایا۔

تشریح: ایک تو چیز ہوتی ہے اور دوسرا اس چیز کا مقصد ہوتا ہے۔ خالق کی رحمانیت کی صفت کا تقاضہ ہوا کہ، انسان کو اُسکی تخلیق کے مقصد سے واقف کرا دے۔ چنانچہ انسان کے وجود کے مقصد کو پہلے بیان فرمایا بعد میں انسان کے وجود کو بیان فرمایا یعنی تعلیم قرآن جو کہ مقصد وجود ہے۔

یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار گُونہ فروغ و ہزار گُونہ فراغ

(ا) دعوت دین کا آغاز اصلاح اخلاق سے کرنیکے بجائے ایمان (عقیدے) سے اصلاح کیوں کی گئی ہے۔ بعثت نبوی یعنی ۱۰اگسٹ ۶۱۰ ؁ء کے وقت، عربستان کی اخلاقی سطح، ہر پہلو سے زوال کے آخری کنارے تک پہنچ چکی تھی۔ ظلم اور جارحیت نے معاشرہ کو تباہ کر دیا تھا۔ شراب خوری، جوے بازی، فحاشی، زناکاری وغیرہ عام ہو چکے تھے۔ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا حکم ہوتا کہ ایک اصلاحی تنظیم کا قیام عمل میں لائیں اور اسکے ذریعے اصلاح اخلاق، تزکیہ نفس، تطہیر معاشرہ کا کام شروع کر دیں تو ایسی تحریک کامیاب بھی ہو جاتی۔

لیکن اللہ علیم و خبیر اور حکیم ہے وہ جانتا تھا کہ انسانی اخلاق کی تعمیر صرف عقیدے کی بنیاد پر ہو سکتی ہے اور وہ ہے عقیدہ الوہیت۔ جب یہ عقیدہ الوہیت مکی صحابہ کرام کے دل میں بیٹھ گیا یا بالفاظ دیگر تقاضہ عقیدہ الوہیت کے تحت انسان، خواہشات نفس کی غلامی، انسانوں کی غلامی سے اور حالات کی غلامی سے آزاد ہو گیا تو اللہ عَزَّوَجَلّ نے اس عقیدے کے ماننے والوں کے ذریعے وہ کام لیا جو دعوت الی الایمان کہلاتا ہے چنانچہ صحابہ رسول کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ہر صحابی کے دل میں خدا کی خوشنودی اور رضاء الٰہی کی طلب اور اجر کی خواہش، خدا کے غضب اور عذاب کا ڈر ایک محتسب (نگران کار) کا کام انجام دے رہا تھا۔ الغرض، انسانی نظام میں انسانیت، اخلاق و کردار اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ اس سے پہلے نہ کبھی پہنچے تھے اور نہ اُس صدر اول کے بعد آج تک پہنچے ہیں یہ نتیجہ تھا عقیدے کے دل میں جم جانے کا۔ اسکے برعکس اصلاحی قوانین صرف روز روشن اور جلوت ہی میں کارگر اور مؤثر ہوتے ہیں لیکن تنہائی خلوت اور تاریکی میں بے اثر ہو جاتے ہیں۔

مغیبات میں ایمان بالآخرت کی اہمیت بے حد ہے۔

اگرچہ کہ آخرت پر ایمان لانے کا ذکر ایمان بالغیب کے لفظ **يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** میں آ چکا ہے مگر اس کو پھر صراحتً بیان کیا گیا وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ [البقرة: ٣]۔ یہ جُزء اجزائے ایمان میں اِس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ مقتضائے ایمان، مطالبات ایمان پر عمل بالاخلاص کا جذبہ پیدا کرنا اسکو تحریک دینا اِسی سے ہے۔ اسی کے دم قدم سے ہے۔

عقیدہ آخرت، اسلامی عقائد میں ایک انقلابی عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے کہ اسکی وجہ سے انسانی زندگی کے ہر گوشے میں انقلاب آ جاتا ہے۔ خواہ ذہنی شاکلہ ہو خواہ انداز فکر اور زاویہ نظر کا معاملہ ہو یا دنیوی نفع یا نقصان کا مسئلہ ہو، مختصر یہ کہ ظاہر کے یقین کو (جو دنیا کی دلکشی اور محبت کا نتیجہ ہے) ٹھکرا کر غائب کے یقین سے چمٹ جاتا ہے۔ اور زبان سے یہ کہتا ہے الدُّنْيَا مَتَاعُ الْغُرُورِ۔

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریک بینائی

بصارت اور سماعت کا جنہیں عرفان ہوتا ہے
نظارے بات کرتے ہیں اشارے بات کرتے ہیں

الٰہی تیرا جہاں کیا ہے
نگار خانہ ہے، آرزو کا

ایمانیات کے اس اہم جز پر عمل پیرا ہونے سے ابتدائی دور میں ایسا پاکباز معاشرہ بنا کہ لوگ صحابہ کرام کی زندگیوں کو دیکھ کر ان کے گرویدہ ہو گئے۔ آیت مذکورہ میں یُوقِنُونَ کا لفظ ہے۔ یُؤمِنُونَ کا نہیں ہے۔ یُوقِنُونَ ایمان سے ہے یعنی آخرت کا ایسا یقین جیسے کوئی چیز نظروں کے سامنے ہونے سے اس کا یقین ہوتا ہے کہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں، کان سن رہے ہیں دل و دماغ محسوس کر رہے ہیں۔ اگر آخرت پر صرف ایمان ہو تو وہ عمل کیلئے محرک نہیں بنے گا بلکہ آخرت پُر یقین کی منزل میں ہونا ضروری ہے۔ ایسے لوگوں کو ہی خوش خبری دیگئی ہے کہ ﴿أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [البقرۃ: ۵]

ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ وہ بولے یارسول اللہ خدا پر صِدق دل سے ایمان رکھتا ہوں پھر رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، حارث تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ یارسول اللہ میرا دل، دنیا سے پھر گیا ہے اس لئے رات کو جاگتا ہوں اور دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں۔ گویا مجھ کو خدا کا عرش علانیہ نظر آتا ہے گویا میں اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں۔ اور اہل دوزخ کو چیختے اور چلاتے دیکھ رہا ہوں آپ نے ارشاد فرمایا تم نے جان لیا اب تم اس پر قائم رہو۔

انعام خدا ہے چشم بینا
بے کیف نظر، نظر نہیں ہے

لفظ آخرت کی تفصیل: - لفظ آخرت میں جامعیت ہے یعنی یہ کئی عقائد کے مجموعے کا نام ہے۔

(۱) یہ کہ انسان اس دنیا میں اسکے عرصہ حیات کے کارناموں میں غیر ذمہ دار نہیں ہے۔ بلکہ تمام اعمال کیلئے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ (۲) یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام دائمی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر اسکو ختم کرنا ہے۔ اسکو اللہ تعالیٰ ختم کر دیگا پھر پوری نوع انسانی کو پیدا فرمائیگا جسکو نفخہ ثانیہ (قیامت واقع ہونا) کہتے ہیں۔ اسکے بعد میزان محشر میں جمع فرما کر اعمال ناموں، ان کا حساب و کتاب، انکی سزا و جزا اور جنت اور دوزخ ان سب سے سابقہ پڑیگا۔ ایسی صورت میں دنیوی زندگی کی کامیابی کا انحصار اخروی فیصلے کی کامیابی پر ہے نہ کہ دنیوی زندگی کی خوشحال کامیابی اور بدحال ناکامی پر۔

اسلام میں دنیوی زندگی میں دولت اور جاہ واقتدار کا مقام:- اسلام نے صاف کہہ دیا کہ انسان کو اگر دنیا میں دولت اور اقتدار مل جاتا ہے تو اسکی وہ حالت، اللہ کی محبوبیت کی دلیل نہیں ہے اسی طرح خوشحالی اللہ کی رضا مند اور بدحالی اللہ کی ناراضگی کی دلیل نہیں ہے۔ یہ من اللہ ہے, اسکے لئے آزمائش کے پرچے ہیں۔ ایک شخص مفلس ہونے کے باوجود اللہ کی نظر میں باعزت ہو سکتا ہے اور ایک شخص مالدار ہونے کے باوجود معتوب اور مغضوب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ دارالعمل ہے دارالجزاء نہیں ہے۔ یہاں اعمال کا خزانہ جمع کرنا ہے تاکہ پورا بدلہ آخرت میں مل سکے۔ مفلس وہ ہے جو اعمال کا مفلس ہو نہ کہ مال کا۔

لیکن مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا کہ دولت اور اقتدار کے معنی خود خدا کی محبوبیت کے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم اور ملزوم ہیں کہ جو جس قدر دولت مند ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کا چہیتا اور منظور نظر ہوگا۔ اسکے برعکس ناداری، مفلسی مفلوک الحالی وغیرہ محبوبیت خداوندی سے محرومی کی علامتیں ہیں۔

چنانچہ مشرکین مکہ جب بھی کسی شخص سے ملتے تو اسکو جانچ نے کیلئے دولت اور معیار زندگی اور جاہ و اقتدار کو معیار بناتے تھے اسکے برعکس اسلام کہتا ہے کہ حق و صداقت ایمان و عمل کو معیار بنائیں۔ مختصر یہ کہ مشرکین مکہ ظاہری عظمت کو معیار بناتے تھے اور اسلام اسکے برعکس معنوی عظمت کو اہمیت دیتا ہے۔

نظر اٹھاؤ تو آنکھوں کو بند کر کے اٹھاؤ
کھلی ہو آنکھ تو کچھ بھی نظر نہیں آتا

اُسوقت کی فضا ایسے اعتقادات سے بھری ہوئی تھی۔ ایسے حالات میں حضور ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا وہ دن ۱۰ اگسٹ ۶۱۰ کا تھا۔ نبوت کے چرچے سے لوگ حیرت زدہ ہوگئے کہ ایک عام سطح کا آدمی ایک غریب آدمی جس کے نہ ماں باپ ہیں نہ وہ خود صاحب مال و جاہ رکھتا ہے یہ کیسے نبی ہو سکتا ہے۔ خدا کا رسول تو اصلاً کوئی فرشتہ ہوتا یا کم از کم کسی قوم کا رئیس یا کسی نامور قبیلے کا سردار ہوتا۔ اس میں نہ تو ظاہری عظمت ہے نہ نوکر نہ غلام، یہاں تک کہ خود کا کام خود ہی کر لیتا ہے بازار سے سودا بھی خود ہی لاتا ہے۔ ایسا شخص کس طرح کائنات کے خالق کا سفیر ہو سکتا ہے۔

ختم بھی ہو گی کبھی کشمکش کائنات
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات

دنیا کی دلکشی میں گم ہو جانے کا نتیجہ

اسلام اور ایمان کی مخالفت نفس پرستی کیوجہ سے ہے اور نفس پرستی نتیجہ ہے دنیا کی دلکشی میں کم ہو جانے کا۔

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ﴾[آل عمران: ١٤]

لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور خدا کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔

لوگوں کیلئے مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آیند بنادی گئی ہیں مگر یہ دنیا کے چندروزہ زندگی کے سامان ہیں۔

یہ دولت و دنیا یہ رشتہ پیوند
متاع وہم و گماں لاالہ الااللہ

فریفتہ کِیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں۔ بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے کے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگے ہوئے اور مویشی اور کھیتیاں یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں۔

(منظوم ترجمہ کیف بھوپالی)

بڑی زینت ہے انسان کیلئے محبوب چیزوں میں
کشش رکھ دی گئی ہے عورتوں میں بیٹوں میں

کشش ہے سونے چاندی میں کشش ہے مال و دولت میں
اصیل النسل گھوڑوں میں، مویشی میں، زراعت میں

مگر یہ ساز و ساماں ہے حیات عارضی ہی تک
متاع دائمی اللہ کے نزدیک ہے بے شک۔

مذکورہ آیت میں لوگوں کی مرغوب یعنی پسندیدہ چیزوں کو ان کی نظروں میں انکی محبت خوشنما بنا دیگئی ہے اسلئے بہت سے لوگ اُسکی ظاہری رونق پر فریفتہ ہو کر آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں

کافر کی یہی پہچان کہ آفاق میں گم
مؤمن کی یہی پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

یہہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں
کہ مرد حق ہو گرفتار حاضر و موجود

آیت کا پس منظر -:- یہ مدنی سورت ہے اس میں دو سو آیات ہیں، ۲۰ رکوع ہیں اس سورت میں چونکہ آل عمران کا ذکر ہے اسلئے سورت کا نام بھی آل عمران رکھا گیا۔ سورت کی ۲۰۰ آیات کو سہولت فہم کے مد نظر ۴ مضامین میں تقسیم کیا گیا۔ پہلا مضمون آیت نمبر ۱ - ۳۲ تک (زمانہ نزول غزوہ بدر کے بعد ہی کا ہے) دیگر مضامین کی تقسیم اور تفصیل کو قلم انداز کر رہا ہوں۔

سورت مذکورہ میں خطاب خصوصیت کے ساتھ دو گروہوں کی طرف ہے ایک اہل کتاب دوسرے وہ لوگ جو رسول خدا پر ایمان لا چکے تھے۔ پہلے گروہ کو اسی طرح سے تبلیغ کی گئی ہے۔ جس کا سلسلہ سورۃ البقرہ میں شروع کیا گیا تھا کے انکی اعتقادی گمراہیاں اور اخلاقی خرابیوں پر تنبیہ کیگئی ہے۔ اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ قرآن بھی وہی دعوت دیتی ہے جو شروع سے تمام انبیاء دیتے چلے آئے ہیں اور

فطرت اللہ کے مطابق یہی دین حق ہے اس سے ہٹنا گویا دین حق سے ہٹنا ہے دوسرے گروہ یعنی مسلمانوں کو سابقہ امم کے مذہبی اور اخلاقی زوال کا عبرتناک نقشہ دکھا کر خبردار کیا گیا ہے اور انکو اپنی کمزوریوں کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

ملّت محمدیہ میں اتحاد کا سبق ہی سورہ آل عمران کا عمود ہے۔ کافروں پر غلبہ حاصل کر نیکے لئے زیر نظر سورت میں ۳ بنیادی ہدایات دی گئی ہیں۔ (۱) اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دین اور ان سے بحث، نظریاتی مکالمہ، مجادلہ حسن مناظرہ اور مباہلہ کی ہدایت ہے۔ (۲) اہل کتاب کی سازشوں اور شر پسندوں سے خود محفوظ رہیں اور سارے مکانوں کی حفاظت کریں۔ (۳) مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق صبر اور تقویٰ کا التزام کریں۔ اُحد کی شکست سے عبرت حاصل کر ہیں۔

ربط آیات :- یہ سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت نمبر ۱۴ سے قبل آیات میں کفّار اور مشرکین کی مخالفت اور اُن کے رد میں، انکے مقابلہ میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے اور زیر نظر آیت میں اسلام اور ایمان کی مخالفت اور تمام بداعمالیوں کے سبب کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ حب دنیا ہی ہے اور اسکی کئی شکلیں ہیں۔ کوئی جاہ و اقتدار کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اسکی حرص و لالچ میں خود کو دن رات لگا دیا ہے اور اسکی خاطر حق کی مخالفت کر رہا ہے۔ کوئی آبائی رسوم کی محبت کے سبب دین حق کے مقابل کھڑا ہو گیا اور کئی لوگ نفسانی خواہشات کی تکمیل کی محبت اور اُسکے حصول کی محبت میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو ایک طرف رکھ دیا ہے۔

آیت میں شَھَوَات کا لفظ ہے۔ (شَھَا - یَشْھُو - شَھْوَۃً خواہش کرنا، شدید محبت کرنا، شَھْوَۃٌ خواہش، شہوات اسکی جمع ہے۔)

دلی خواہشات کی فہرست میں سر فہرست عورت پھر اولاد پھر مال کا ذکر ہے۔ یہ چیزیں ہر انسان کے لئے دل پسند ہیں خواہ دنیا کے کسی گوشے میں رہنے والا ہو اور پسندیدہ ہونا بھی چاہیے کہ یہ چیزیں اُسکی ذاتی (یعنی بقا و وجود) اور نوعی (یعنی بقاء نسل آدم کے) لوازم میں سے ہیں۔ لیکن مذکورہ آیت میں ان چیزوں کی مُجرّد اور مطلق محبت زیر بحث نہیں ہے بلکہ ان دل پسند اور مرغوب چیزوں کی تزئین یعنی آرائش اور زیبائش اور سجاوٹ اور سنگار کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان چیزوں کی دلکشی ناظر کی ناظر میں اس قدر اثر کر جائے کہ آدمی اسکے زیر اثر اپنی عزیز زندگی کو کھپا دے، ہر وقت اُس کی سوچ، ہر وقت اس کی فکر اور ہر وقت اسی کا ذکر اور ہر وقت اس کی سلامتی کے اسباب میں لگا رہے اور اسی کو حق سمجھے اور دنیا کی ہر چیز کو تولنے کیلئے اِسی کو ترازو، اِسی کو معیار اور اِسی کو پیمانہ اور اِسی کو کسوٹی بنالے اور ان کی محبت اور رغبت کا غلبہ اس قدر آدمی کے دل و دماغ پر سوار ہو کہ وہ خالق، رازق و حاکم کے منشا تخلیق کے خلاف سرمایہ حیات کو لگادے کہ اِس کی وجہ سے خود مقصد تخلیق سے دور جا پڑے۔ نتیجتاً زندگی میں بے اعتدالیاں، گمراہیاں پیدا ہو جائیں۔

آہستہ آہستہ لاشعوری طور پر انسان کی یہہ روش ایک بیماری کی صورت اختیار کر لیتی ہے کہ ایسا انسان بے بصیرتی کے سبب تقوے کی ڈگر سے دور نکل جاتا پھر شیطان ان مرغوبات دنیا کو ملمع سازی کر کے منظور نظر بنا کر پیش کرتا ہے کہ انسان دنیا کی رنگینی میں کھو جاتا ہے (کہ میں ہجوم رنگ میں کھو گیا وہ نظر سے دل میں اتر گئیں والا مضمون صادق آ جاتا ہے) قرآن نے دوسرے مقام پر دنیا کی تزئین کو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے کہ شیطان اور نفس انسانی کے تال میل سے ایک سطح بین کھو جاتا ہے۔

جانتا ہوں میں اُمّت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بند مؤمن کا دین

آیت زُيِّنَ لِلنَّاسِ ہے اگرچہ لفظ ناس بظاہر عام ہے لیکن اس سے مراد ایک خاص گروہ ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے قرآن میں لفظ انسان کا استعمال ہوتا ہے اور مقصود اس سے وہ مخصوص گروہ ہوتا ہے جس کے حالات اس مخصوص مقام پر زیر بحث ہوتے ہیں۔ یہاں سیاق و سباق (یعنی ربط مضمون اور سلسلہ کلام کی نوعیت کے اعتبار سے) اسبات پر دلیل ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو بصیرت، تقویٰ اور سنجیدگی جیسے صفات مطلوبہ سے عاری ہیں اسی وجہ سے وہ لوگ دنیا کی مرغوبات پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اور اللہ کا کلام جن اعلیٰ اقدار (Values) کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے اُن سے صَرفِ نظر کر رہے ہیں۔

حدیث: "سب سے بہترین اسلام، ایمان ہے" حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ ایمان بالغیب اگر قوی ہو تو، اسلام پر عمل درآمد آسان ہو جائیگا اور اگر ایمان بالغیب قوی نہ ہو تو اسلام کی صرف صورت رہ جائیگی اور روح ختم ہو جائیگی۔ انسان کا دنیا کی محبت میں حدود اسلام سے تجاوز کر جانا ایمان بالغیب کے فقدان کا پتہ دیتا ہے کہ آدمی خواہشات والی زندگی ہی کو اپنی زندگی کا قانون بنالے، قرآنی احکام سے صرف نظر کرے اور غیر مُتَّقِیانَہ زندگی بسر کرے، گویا بقاء حیات اور بقا نسل آدم کے لوازمات میں گم ہو جانے ہی کا نام غیر مُتَّقِیانَہ زندگی ہے۔

آیت مذکورہ میں مرغوبات نفس کی تفصیلات میں ایک خاص ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے سب سے پہلے اہل و عیال کا ذکر کیا گیا ہے کہ محبت میں

شدت کے اعتبار سے سب سے زیادہ محبت ان ہی سے ہے اور دیگر چیزیں ان ہی کے تابع ہیں۔ اسکے بعد مال کا ذکر کیا گیا ہے۔ مال میں سونے کو مقدم کیا گیا ہے مال کی محبت، انسان میں خاص طور سے عورت میں اس قدر ہے کہ چاندی کو تانبہ کو یا لوہے کو سونے کی صورت دیکر (ملمع سازی یعنی Electroplating - کے ذریعہ) پہنا جاتا ہے۔ تاکہ دیکھنے والے کی نظر میں ہماری دولت مندی کے آثار و علامات کا اظہار ہو جائے۔

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جسکو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

سر وسامان میں سب سے پہلے گھوڑوں کا ذکر ہے کہ اہل عرب، زینت، فخر اور دفاع تینوں کے نقطہ نظر سے گھوڑے کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اسکے بعد چوپائیوں کا ذکر ہے اسلئے کہ وقت کے اعتبار سے اس دور میں معاش کا انحصار ان ہی پر تھا۔ آخر میں کھیتی باغ کا ذکر ہے کہ تمدن کے ظہور کے بعد کے دور میں اسکو اختیار کیا گیا تھا۔

نظم کے اعتبار سے یہ آیت گویا اوپر والی آیت نمبر ۹ کی طرف مُشیر ہے یعنی
﴿رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾
اے پروردگار! تو اس روز جس (کے آنے) میں کچھ بھی شک نہیں سب لوگوں کو (اپنے حضور میں) جمع کرلے گا بے شک خدا خلاف وعدہ نہیں کرتا۔

جسکو اس آیت پر یقین نہ ہو گا یا کمزور ہو گا وہ قرآن کے احکام کی مخالفت کر کے دنیا کی محبت اس کی طمع سے بڑھائے گا۔ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا میں اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دنیا اور اسکی مرغوبات سب کے سب ناپائیدار اور فانی ہیں

بمقابل ایک عالم باقی کے۔ ایسی صورت میں عالم فنا کو عالم بقاء پر ترجیح دینا ایک حماقت ہے۔

دنیا کی محبت طبعی ہے اور اس میں ہزاروں حکمتیں ہیں

اگر انسان ان چیزوں کی طرف مائل نہ ہوتا اور ان سے محبت نہ کرتا تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ نہ کوئی محنت کرتا نہ تکلیف اٹھاتا، نہ کسی کو کسی سے کوئی مطلب اور غرض وابستہ ہوتی۔ دنیا کی آبادی اور بقا اس میں پوشیدہ ہے کہ لوگوں کی طبیعت میں ان چیزوں کی محبت پیدا کر دی جائے جس سے خود بخود ان چیزوں کے حصول اور ان کی حفاظت اور ان کی بقاء کی فکر میں لگ جائیں۔ ظاہر ہے کہ محبت جس چیز سے ہو جاتی ہے اُسکی عظمت اور اسکی اہمیت آنکھوں کے ذریعے دل و دماغ میں اُتر جاتی ہے تو منشا الٰہی پورا ہو کر رہتا ہے۔

مزدور کا گھر سے مزدوری کیلئے نکلنا، صانع کا کارخانہ جانا، تاجر کا سوداگری کرنا۔ مالدار کا مزدور کی تلاش کرنا۔ مزدور کا مال سے سامان زیست خریدنا یہ سب کا ایک سے دوسرے سے غرض اور وابستگی رکھنا محبت ہی کا نتیجہ ہے جو سب کو گھر سے نکالتی ہے اور دنیا کے تمدن نظام کو مضبوط اور مستحکم اصول پر قائم رکھتی ہے کہ انسان تا حیات اس چکر سے باہر نہیں آسکتا۔ بقول عامرؔ عثمانی کے

یہ قدم قدم اسیری، یہ حسین قید خانا
کوئی طوق ہے نہ بیڑی، کوئی دام ہے نہ دانا
کوئی ہو سمجھنے والا، تو بہت نہیں فسانہ
کبھی مسکرا کے رونا، کبھی رو کر مسکرانا

اگر دنیوی نعمتوں کی محبت دل میں نہ ڈالی جاتی تو آخرت کی نعمتوں کا ذائقہ کیسے معلوم ہوتا۔ کہ حور کیا ہوتی ہے حوروں کی چاہت کیا ہوتی ہے۔ راحت کیا چیز ہے زحمت کیا چیز ہے جب راحت اور زحمت کا پتہ دنیا میں چل گیا تو پھر آخرت میں راحت کیلئے محنت اور زحمت سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔ عشق مجازی سے عشق حقیقی کا پتہ چلے گا۔

دنیا کی محبت کو دل میں رچا بسا کر انسان کی آزمائش کی گئی

کہ کون اس کی محبت میں آخرت کو بھول جاتا ہے کون ان مرغوب چیزوں میں اللہ کے بتلائے ہوئے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور کون شیطان کی پیروی کرتے ہوئے ان کی آرائش اور سجاوٹ سنگار میں پڑ جاتا ہے اور کون اللہ اور رسول کے احکام پر چل کر دنیا کی محبت سے بچتا ہے۔

عقل سے راہ جو پوچھی تو پکارا یہ جنوں
یہ تو خود بہکی ہوئی پھرتی ہے رہبر ہم ہیں

آیت میں لفظ زُيِّنَ لایا گیا ہے جو ماضی واحد مذکر غائب ہوتے ہوئے مجہول کا صیغہ ہے۔ ماضی ہونے سے پتہ چلا کہ سجاوٹ والا کام یقیناً ہو چکا اور مجہول کا صیغہ یہ اشارہ دیتا ہے کہ سجانے کا کام چونکہ اچھا نہیں ہوتا اسلئے اللہ تعالیٰ اسکو اپنی طرف منسوب نہیں فرمائے، اگر زینت کا کام اچھا ہوتا تو معروف کا صیغہ لایا جاتا تو معنی ہوتے "وہ سجایا"۔

لفظ زینت کی وضاحت: اسی چیز کو سجایا جاتا ہے جس چیز کی حقیقت میں عیب ہو۔ نقص ہو، ایسا کہ دیکھنے والی نظر میں وہ ناگوار ہو۔ سجاوٹ سے نہ صرف چیز کی

حقیقت چھپ جاتی ہے بلکہ سجاوٹ کے نتیجے میں وہ چیز اچھی نظر آتی ہے۔ گویا ناظر کی نظر میں منظر خوشگوار اور دلرُبا اور دلکش ہو کر منظور نظر ہو جاتا ہے۔ مرغوب چیزوں کی حقیقت کو چھپایا تاکو مرغوبیت کا تسلسل نہ ٹوٹے اور منصوبہ تخلیق الٰہی صدفی صد کامیاب رہے۔ خواہ معاملہ بقاء حیات انسانی کا ہو خواہ معاملہ بقاء و نسل آدم کے لوازمات کا ہو۔

نگاہ وہ نہیں جو سُرخ و زرد پہچانے
نگاہ وہ ہے کہ محتاج مہر و ماہ نہیں
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مؤمن
قدم اُٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں

جس چیز کی حقیقت دل پسند ہو، خوش گوار ہو، اُس کو سجایا نہیں جاتا۔ حقیقت کو نہ جان کر ظاہری صورت پر فریفتگی ایک دھوکہ ہے۔ سجاوٹ، نظر کے حق میں ایک دھوکہ ہے لیکن اہل نظر کی نظر میں اسکی حقیقت بالکل واضع رہتی ہے۔ سجاوٹ میں نہ صرف حقیقت پوشیدہ ہوتی ہے بلکہ اسکی فنائیت اور عارضیت کو بھی ناظر، خاطر میں نہیں لاتا۔ کیونکہ دنیا کی محبت ایسی چیز ہے جس میں دنیا کے عیب نظر نہیں آتے۔

دنیا میں دلکشی مؤمن کی آزمائش کیلئے ہے۔ (سورۃالکہف آیت ۷)

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾

جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کے لئے آرائش بنایا ہے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے۔

زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اُس کو زمین کیلئے سنگار بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کا امتحان کریں کہ ان میں اچھے عمل کرنے والا کون بنتا ہے۔

مذکورہ آیت کا اسکی سابقہ آیات سے ربط - یہ سورۃ الکہف مکی سورت ہے مکے میں مشرکین مکہ اور رسول اور صحابہ کے درمیان حق و باطل کی کشمکش اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی کہ قریش اپنی پوری قوت سے قرآن کی دعوت اور رسول کی پکار کو مٹانے کیلئے تیار ہو چکے تھے۔ اور یہود و نصاریٰ انکی پیٹھ ٹھوک رہے تھے۔ ایسے حالات کے پیش نظر اللہ کے رسول دعوت إلی الإيمان میں رات دن ایک کئے ہوئے تھے اسکے باوجود لوگ ایمان نہیں لا رہے تھے جسکی وجہ سے آپ کو یہ احساس کیا جارہا تھا کہ ہو سکتا ہے میری دعوت میں کسی قسم کی کوتاہی ہو رہی ہو۔ ایسی احساس کی وجہ سے ایک طرف آپ کی دعوتی مشقت میں اضافہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف غم میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایسے وقت اللہ تعالیٰ نے محبت بھرے لہجے میں آپ کو تسلی دیا کہ آپ اپنی ذمہ داری کے احساس میں اس قدر اضافہ نہ فرمائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مدعوئین جو کافر اور مشرک ہیں وہ ناشکرے اور ناقدرے ہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ انکو آپ کی دعوت کے سمجھنے میں مشکل ہو رہی ہے یا دعوت کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ اس دنیا کی دلکشی میں کھو گئے ہیں۔ ان کے دعوت سے انکار اور اعراض کا اصل سبب دنیا پرستی ہے کیونکہ ہم نے اس دنیا کے چہرے پر حسن و زیبائی کا ایک پر فریب غازہ (یعنی خوشبو دار گلابی پوڈر) مل دیا ہے اسکے مال اور اولاد اسکے کھیتوں اور کھلیانوں، اسکے باغوں، اسکے چمنوں، اسکے سواریوں، اسکی رہائش والی کوٹھیوں اور اسکے محلوں اور

اسکے ایوانوں، اسکی صدارتوں، اسکی وزارتوں۔ انکی کرسیوں میں بڑی کشش اور دلفریبی ہے۔ اسکی لذتیں نقد اور رُوبہ نظر ہیں اور اسکی تلخیاں اور اسکے نقصانات پردے کے پیچھے ہیں جو نظر سے اوجھل ہیں۔

یہ دنیا کی زینت، دنیا کے خالق کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔ اس آزمائش میں کامیابی کے ساتھ پار ہونا ہر سطح بین اور ہر کم نظر کا کام نہیں ہے، اس میں کامیاب وہی ہونگے جنکی نظر، جنکی بصیرت اس قدر گہری ہو کہ وہ ہر رنگ کی حقیقت اور ہر بھیس کی اصلیت، ہر شکل کی ماہیت کو بھانپ جاتے ہیں اور جو اپنی عقل اور دل کی آنکھیں بند کر لیتے ہیں، جو اپنے خواہشات کے پرستار ہیں جو آخرت کے اجر و ثواب کو آج کے نقد اور پیش نظر بدلے پر قربان کر دیتے ہیں وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔

جہاں بانی سے ہے دُشوار ترکارِ جہاں بینی
جگر خُوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

اس سرابِ رنگ و بو کو گُلِستاں سمجھا ہے تُو
آہ اے ناداں! قفَس کو آشیاں سمجھا ہے تُو

کھولی ہیں ذوقِ دید نے آنکھیں تری اگر
ہر رہ گزر میں نقشِ کفِ پائے یار دیکھ

حدیث : جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنے نفس کی چاہت پر چلے اُس سے زیادہ گمراہ اور غلط کون ہو سکتا ہے؟ اللہ ظالم لوگوں کو اپنی راہ پر نہیں لگاتا۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ﴾ [النمل: ۴]

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے انکے لئے ہم نے انکے کرتوتوں کو خوشنما بنادیا ہے اسلئے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ﴾ [النمل: ۵]

یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے بڑا عذاب ہے اور وہ آخرت میں بھی بہت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اگرچہ کہ عقیدہ آخرت ایمانیات میں شامل ہے اور اِسی بناء پر ایمان والے وہی لوگ ہیں جو توحید اور رسالت کے ساتھ آخرت پر بھی ایمان لائینگے لیکن ایمانیات کے ضِمن میں اسکے آپ سے آپ شامل ہونیکے باوجود یہاں اس عقیدے کی اہمیت کے اظہار کیلئے خصوصاً زور دیکر اسکو الگ کر کے بیان کیا ہے اس سے یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ جو لوگ آخرت کے قائل نہ ہوں ان کیلئے قرآن کے احکام پر چلنا تو کیا، قدم رکھنا محال بات ہے کیونکہ اس طرز فکر کے لوگ خود مستی میں اپنا معیار، خیر وشر صرف ان ہی نتائج سے متعین کرتے ہیں جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے یا ہو سکتے ہیں یعنی محسوسات اور مشاہدات میں اپنی عقل کی رہبری کی روشنی میں طے کر لیتے ہیں کہ یہ اچھا ہے یہ برا ہے، یہ نیک ہے یہ بد ہے، یہ حق ہے اور یہ باطل ہے۔ ان لوگوں کیلئے ایسے قانون یا ایسی نصیحت کو قبول کرنا ممکن نہیں ہوتا جو آخرت کے اعتبار سے طے شدہ ہیں۔ یہ لوگ قرآن اور نبی کی تعلیمات پر کان نہیں دھرتے۔

آخر ہو گئے غفلت میں دن جوانی کے بہار
عمر ہوئی کب خزاں نہیں معلوم

اگر کسی وجہ سے وہ ایمان لانے والوں کی جماعت میں شامل ہوں تو بھی آخرت کا یقین نہ ہونے کیوجہ سے اُن کیلیئے ایمان اور اسلام کے راستے پر ایک قدم چلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔اِس راستے میں اِس روش کے لوگوں کو سب سے پہلی آزمائش جو در پیش ہوتی ہے وہ دنیوی فائدے اور اُخروی نقصانات کے تقاضے ہیں۔کہ وہ ان کو دو مختلف سمتوں میں کھینچتے ہیں اس کشاکش میں وہ آسانی دنیوی فائدوں کی طرف کھینچ جاتے ہیں اور آخرت کے نقصان کی ذرہ برابر پرواہ نہ کرے گے۔ خواہ زبانی ایمانی دعوے ڈھیر سے ہوں۔۔۔اصل واقعہ یہ ہے کہ جب آدمی کے سامنے حق آجائے تو وہ بغیر کسی تحفظ کے اسکا اعتراف کر لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فی الفور صحیح سمت پر چل پڑتا ہے اسکی زندگی ہر اعتبار سے درست ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسکے برعکس جو شخص آخرت کے یقین کا جھوٹا دعوی کرتا ہے

وہ خود کو حق کے مطابق ڈھالنے کے لئے تیار نہیں ہوتا وہ مجبور ہو جاتا ہے اور خود حق کو اپنے مطابق ڈھال لیتا ہے۔اِسی نفسیاتی کیفیت کا دوسرا نام تزئین اعمال ہے کہ آدمی اپنے طریقہ زندگی کو برحق اور اپنی من مانی بے سمتی روش کو درست اور جائز ثابت کرنیکے لئے خود تراشیدہ اور خود ساختہ دلیلیں گھڑ لیتا ہے یہ دلیلیں دھیرے دھیرے اسکے ذہن پر اسطرح چھا جاتی ہیں کہ وہ انکو درست معلوم ہوتی ہیں (اس خصوص میں ماحول کی ہم خیالی اور دوستوں کی تائید اور دنیا داروں کے فتوے بھی پشت پناہی کرتے ہیں)

جو لوگ آخرت کے بارے میں سنجیدہ نہ ہوں وہ ہمیشہ تزئین اعمال کا شکار ہو کر اپنی اصلاح کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔اپنی غلط روش کو صحیح سمجھنے کی انکو

ایک بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے کہ وہ جس راستے پر ہیں وہ جہنم کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

﴿تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [النحل: ٦٣] خدا کی قسم ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے کردار (ناشائستہ) ان کو آراستہ کر دکھائیے تو آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔

خدا کی قسم اے محمد مسلم تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں ہم نے رسول بھیج چکے ہیں اور پہلے بھی ہوتا رہا ہے کہ شیطان نے اُن کے بڑے کرتوت کو انکی نظر میں خوشنما بنا کر دکھایا اور رسولوں کی بات انہوں نے نہ مانی وہی شیطان آج ان لوگوں کا بھی سرپرست بنا ہوا ہے اور یہ لوگ دردناک سزا کے مستحق بن رہے ہیں۔ شیطان انسان کے غلط اعمال کو دلکش بنا کر بھٹکاتا ہے۔

اے محمد ﷺ آپ ان کے کفر و جہالت پر کچھ غم نہ کریں کیونکہ بخدا آپ کے زمانے سے پہلے جو اُمتّیں گزری ہیں اُن کے پاس بھی رسولوں کو بھیجا تھا لیکن یہ لوگ کفریات کو پسند کرتے ہیں اور اُس پر قائم ہیں ان کو بھی شیطان نے ان کے اعمال کفریہ دلکش کر کے دکھلایا ہے پس وہ شیطان آج دنیا میں ان کا رفیق ہے پھر قیامت میں اُن کے واسطے دردناک سزا مقرر ہے۔ غرض یہ لوگ بھی سابقین کی طرح کفر کر رہے ہیں۔ آپ ان کے بارے میں غم نہ کریں۔ ہم نے آپ پر یہ کتاب اس واسطے نازل نہیں کی کہ سب کو ہدایت پر لانا آپکے ذمہ ہو جائے بلکہ اسلئے نازل کی ہے جن امور میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں جیسے توحید آخرت اور احکام۔ حلال و حرام۔ آپ عام لوگوں پر ظاہر فرمادیں کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح ہے۔

دعوت الی اللہ :- دعوت الی الایمان جب رسول کی طرف سے اٹھتی ہے تو سننے والے محسوس کرتے ہیں کہ یہ آواز، اُن کے رواجی، روایتی ، آبائی اور تقلیدی مذہب سے ٹکرا رہی ہے چونکہ لوگ رواجی مذہب سے مانوس ہوتے ہیں اور اس سے اِن کے بہت سے دنیوی مفادات وابستہ ہو چکے ہوتے ہیں اسلئے وہ چاہتے ہیں کہ اس سے لپٹے اور چمٹے رہیں۔ اس وقت شیطان انکو بڑے خوبصورت الفاظ میں بجھا دیتا ہے کہ اُن کا رواجی مذہب پر قائم رہنا اور پیغمبر کی آواز کی طرف نہ جانا بر حق ہے۔ ایسی روش اسبات کا پتہ دیتی ہے کہ ان کا ساتھی شیطان ہے۔ اسکے بر خلاف اگر آدمی رسول خدا کی بات کو اور اللہ کی بات کو مان لیتا ہے تو گویا وہ خدا اور رسول کو اپنا رہبر اد وساتھی بنا لیتا ہے۔ اس طرح مذکورہ آیت میں کفار مکہ کو دھمکی اور رسول خدا کو تسلی دی گئی ہے۔

﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾ [الفرقان: ۴۳]

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے تو کیا تم اس پر نگہبان ہو سکتے ہو۔

﴿أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾

[الفرقان: ۴۴] یا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں (نہیں) یہ تو چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

تشریح: ایک حدیث میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان کے سایے کے نیچے اللہ کے سوا پوچھے جانے والے معبودوں میں سب سے زیادہ سنگین اللہ کے نزدیک وہ خواہش ہے، جسکی پیروی کی جارہی ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سب سے بڑا بُت آدمی کی خواہش نفس ہے۔ بلکہ یہی اصل بُت ہے بقیہ تمام بت

صرف خواہش پرستی کے دین کو جائز ثابت کرنے کیلیئے وضع کیئے ہیں۔ خواہش کو اپنا رہبر بنانے کے بعد انسان جانور کی سطح پر آجاتا ہے کہ جانور سوچ کر کام نہیں کرتے بلکہ صرف جبلی تقاضے کے تحت کرتے ہیں۔ اب اگر انسان بھی اپنے سوچنے کی صلاحیت کو کام میں نہ لائے اور صرف خواہش کے تحت چلنے لگے تو اس میں اور جانور میں کیا فرق باقی رہا۔

وہ عشرت موت ہے یارب جو دل پر ڈالے پردے
وہ دولت قہر ہے جو دل کو تجھ سے بے خبر کردے

خواہش نفس کو خدا بنا لینے سے مراد اِن کی بندگی کرنا ہے اور یہ بھی حقیقت کے اعتبار سے ایسا ہی شرک ہے جیسے بُت کو پوجنا یا کسی مخلوق کو معبود بناتا ہے۔
اللہ کے احکام اور اسکی ہدایت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے احکام اور رہنمائی کی اتباع کرنا دراصل اسکو خدائی میں اللہ کا شریک ٹھیرانا ہے خواہ اپنی زبان سے اُس دوسرے کو خدا کا شریک قرار دیتا ہو یا نہ قرار دیا ہو بلکہ اگر آدمی اُن دوسری ہستیوں پر لعنت بھیجتے ہوئے بھی امر الٰہی کے مقابلہ میں اُن کے امر کا اتباع کر رہا ہو تب بھی وہ مشرک کا مجرم ہے۔ چنانچہ دنیا میں شیاطین کے معاملے میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ دنیا میں ہر ایک ان پر لعنت کرتا ہے مگر اس لعنت کے باوجود پیروی کرتا ہے قرآن ان سب کو یہ الزام دے رہا ہے کہ تم شیاطین کو خدا کا شریک بنائے ہوئے ہو یہ شرک اعتقادی نہیں بلکہ یہ شرک عملی ہے۔

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو! یہ انداز مسلمانی ہے!

حدیث :- تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُسکی خواہشات نفس میری لائی ہوتی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔

حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے

تشریح : مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان کا حصول اور ایمانی برکات ، مؤمن کو اُسی وقت نصیب ہو سکتی ہیں جب کہ آدمی اپنے نفسی میلانات اور اُسکے دل کی چاہتیں، مرغوبات، کُلّی طور پر ہدایت نبوی کے تابع ہو جائیں۔

ھَوٰی (یعنی خواہشات نفس) اور ھُدٰی (یعنی رسول اکرم کی ہدایات) یہ دو چیزیں ہیں جن پر خیر اور شر کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔اور ان ہی سے انسانوں کی خوش نصیبی اور بد نصیبی وابستہ ہے کہ ہر گمراہی اور بد عملی ، اتباع ھَوٰی کا نتیجہ ہے جس طرح کہ ہر خیر اور پر نیکی اتباع ھُدٰی سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ مؤمن ھَوٰی کو اللہ کی ہدایت کے تابع کر دے اور جس نے ھُدٰی کو چھوڑ کر ھَوٰی کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربّانی ہدایت کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہو گیا تو گویا اس نے خود ہی اپنے ہاتھ سے، اپنی مرضی سے، اپنی آزادی سے، اپنے اختیار سے ایمان کے مقصد کو برباد کیا۔

انسان کے اندر رہنمائی کا چراغ عقل ہے نہ کہ نفس کی خواہشات۔ اب جو لوگ اس چراغ کو گل کر دیتے ہیں اور خواہشات ہی کو اپنا رہبر بنا لیتے ہیں ایسے لوگوں کو راہ دکھانا کس کے بس کی بات ہے کیونکہ خواہشات اندھی ہوتی ہیں خواہشات کی محبت میں ایک طاقت ہوتی ہے۔ اندھی ہونے سے چیز کی حقیقت کو جاننا نہیں چاہتی اور طاقتور ہونے سے کوئی اس کے آمد سے اسکو

روک نہیں سکتا۔ چو پائے بھی بالکل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ چو پائے ہر حال اپنی جِبلّت پر قائم رہتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انکو پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کی پیروی اور تکمیل میں اپنی فطرت سے انحراف نہیں کرتے۔ اِسی طرح انسان جب اپنی خواہشات کا غلام ہو جاتا ہے تو وہ جبلت اور فطرت کے تمام حدود توڑ کر چوپائیوں سے بھی بدترین ہو جاتا ہے۔

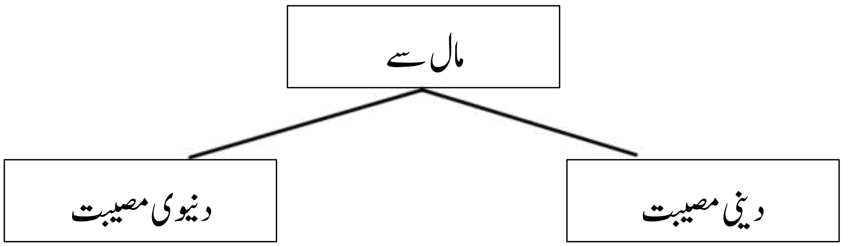
ایک زمانے سے دیکھنے کیلئے
آدمی کو ترس رہی ہے نگاہ

آدمؑ سے لیکر آپ ﷺ تک جتنے ادیان پیغمبر لائے ہیں ان میں دو باتیں مشترک رہی ہے (۱) توحید (۲) حیا۔ اور جانور حیا کا پابند نہیں ہوتا۔ اسی طراح خواہشات پر چلنے والا جانوروں کی طرح شرم و حیا سے دور رہتا ہے۔ عصر حاضر ایسے نظّاروں سے معمور ہے۔

وہ کون ہے جسے توبہ کی مل گئی فرصت
یہاں گناہ بھی کرنے کو زندگی کم ہے

حدیث۔ میں میرے بعد، مرد آدمی کیلئے عورت سے زیادہ فتنہ نہیں چھوڑا۔

حدیث۔ ہر امت کا ایک فتنہ ہے اور میری وقت کا فتنہ مال ہے۔ یعنی میرے امت کیلے جو چیز فتنہ بنے گی وہ مال ہے۔



(۱) مال دنیوی خواہشات کی تکمیل میں مدد دیتا ہے۔

(۲) مال سے اسراف اور فضول خرچی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳) مال سے گناہ کرنا آسان ہوتا ہے۔

(۴) مال کیوجہ سے انسان تعیشات میں پڑ کر سادہ زندگی سے دور ہو جاتا ہے۔

(۵) مال کیوجہ سے محنت اور مشقت کا مزاج ختم ہو جاتا ہے۔

(۶) مال سے تن آسانی، غفلت، آخرت فراموشی آ جاتی ہے۔

(۷) مال سے محبت کیوجہ سے حرص و ہوس بڑھ جاتی ہے۔

(۸) پھر اس کی خاطر ناجائز طریقوں سے مال کمانے لگتا ہے۔

(۹) مال کی خاطر جھوٹ، رشوت، دھوکہ عام ہو جاتا ہے۔

(۱۰) جہیز اور جوڑے کی رقم کے عنوان سے، رہن کے عنوان سے وغیرہ وغیرہ۔

مال دراصل دنیا کا قائم مقام ہے مال دنیا کے ساز و سامان کی قیمت ہے۔ مال سے غرور انسان میں آتا ہے۔ کسی اللہ والے نے سچ کہا کہ دین عبادات کے راستے سے زندگی میں آتا ہے اور معاملات کی راہ سے نکل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان معاملہ داری میں ایمانداری سے کام نہیں لیتا۔ کیونکہ مال کا تعلق معاملات سے ہے اور مال کی حرص و ہوس شرعی حدود توڑتی ہے۔

قبر تک آنے والی پانچ چیزیں ہیں ہے

(۱) کھانا۔ (۲) لباس۔ (۳) مکان۔ (۴) نکاح۔ (۵) مال۔

قبر کے آگے کام آنے والی تین چیزیں ہیں۔

(۱) پاک دل یعنی مزکّیٰ نفس یعنی روحانی امراض سے پاک۔

(۲) اللہ کی محبت۔ یعنی معرفت الٰہی سے محبت الٰہی والا دل ہو۔

(۳) اعمال صالحہ۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف و جملہ معاونین و اہل و عیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کا یقین، عقل سلیم اور فکر مستقیم عطا فرمائے۔

مؤلف

قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔ کام (عثمانیہ)

ڈی۔ یف۔ ی۔ ناگپور کالج

مؤلف کتاب "اصلاحی تحفہ" خادم تدریس القرآن

باہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی